بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

طریق انقلاب : اسلحہ یا رائے عامہ ؟

خرم مراد

ایک نوجوان دوست لکھتے ہیں :

آج ساری دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں اسلام پر جو کچھ بیت رہی ' اس پر ہر مذہبی ذہن رکھنے والا پریشان ہے ۔ ان میں سے ایک میں بھی ہوں ۔ میرے جیسے لوگ صرف جذبات کی رو میں بہہ سکتے ہیں ' اصل معاملے کا فہم نہیں رکھتے ۔ لیکن میرے جذبات گوش گزار ہیں ۔

اس وقت پاکستان کو سیکولر بنانے کی تحریک بڑی پلاننگ سے چل رہی ہے ۔ مانع حمل اشیا کی تشہیر کے ذریعے زنا کو آسان بنایا جا رہا ہے ۔ میڈیا میں انتہائی فحش پروگرام کثرت سے پیش کیے جا رہے ہیں ۔ ہر پہلو سے اسلامی شعار کو ختم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔

جماعت اسلامی کشمیر میں جہاد کے لیے ابھارتی ہے ' کیا ان کے اپنے ملک میں جہاد فرض نہیں ہے ۔ کشمیر میں قتل اور گینگ ریپ ہے ' پاکستانی اخبارات کبھی آپ کی نظر سے گزرے ہیں ۔ ایک وزیراعظم سود کو حلال قرار دے ' دوسری وزیراعظم اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ ' کیا ان کے خلاف جہاد نہیں کرنا چاہیے ۔ کیا جماعت اسلامی صرف جلسے جلوس ہی کرے گی ۔ کیا جلسے جلوس سے انقلاب آ جاتا ہے ۔ کیا یہ جہاد کے زمرے میں آئیں گے ۔ کشمیر میں جہاد کرنے والے یہاں کارروائی کیوں نہیں کرتے ' فحاشی پھیلانے والے سینما ہال کو بم سے کیوں نہیں اڑاتے ۔ قرآن کے متعلق بے ہودہ بات کرنے والے کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لیے کوئی غازی علم دین کیوں اس جماعت سے نہیں نکلتا ۔ کیوں ان حالات میں مسلح کارروائی نہیں کی جاتی ۔

جب تک آپ اپنے کو مقابلے کی طاقت بنائیں گے ' کیا حکمراں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے ۔ تمام وسائل ان کے ہاتھ میں ہیں ۔ آپ کے درس قرآن میں ۱۵ آدمی آئیں گے ' ان کے

ٹی وی ڈرامے کروڑوں لوگ دیکھیں گے ۔ نبی کریم ؐ نے صرف درس قرآن ہی نہیں دیے' ماریں کھائیں ۔ طاقت کے توازن کا انتظار نہ کیا' اپنے کو آگ میں جھونک کر کندن بنایا ۔

یقین کریں بہت دل چاہتا ہے کہ منی سینما ہال میں دھماکے کریں ۔ ننگے جسم کی نمایش کرنے والی حوا کی بیٹیوں پر تیزاب ڈال کر ان کے چہرے مسخ کر دیں ۔ مگر آپ جیسے علما فتویٰ دینے کے لیے تیار ہیں کہ تمام عمر جہنم میں جلو گے ۔ مجھے بتائیں ' بیٹھے بیٹھے اسلامی انقلاب کیسے آجائے گا ۔ کیا الیکشن جیت کر؟ پھر بھی ناممکن ہے ۔ الجزائر کی مثال آپ کے سامنے ہے ۔

ایک اور دوست لکھتے ہیں :

میں مولانا مودودی کو اپنا روحانی استاد مانتا ہوں ' ان کی بے شمار کتابیں مطالعہ کر چکا ہوں ۔ مگر مطالعہ کے دوران اپنی کم علمی اور کم فہمی کی وجہ سے ابہام کا شکار ہو جاتا ہوں ۔ سردست ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں ۔

ایک روزنامے کے صفحہ اول پر آنے والی کچھ تصویریں بھیج رہا ہوں ۔ معذرت خواہ ہوں ' مگر یہ ناپسندیدہ تراشے آپ کو دیکھنا پڑیں گے ۔ عصر حاضر میں ہمیں الیکٹرانک میڈیا' ڈش انٹینا اور ویڈیو کلچر کا سامنا ہے ۔ ملک میں ویڈیو سنٹروں اور ڈش انٹینا کی تعداد اور مساجد کی تعداد میں اب ۱۰۰۰ : ۱ کی نسبت ہے ۔ بیرونی ثقافت ہماری چار دیواری کے اندر اتر آئی ہے ۔ وقت ہمارے خلاف فیصلہ کر رہا ہے ۔ جو نسل اس کلچر کی پیداوار ہوگی وہ اسلام پسند نہیں ہوگی ۔

میں سمجھتا ہوں کہ جماعت اسلامی کے پاس فکر مودودی کے علاوہ بھی بڑی طاقت ہے ۔ ہر برائی کو طاقت سے روکنا عین اسلام ہے ۔ لیکن جماعت نے معاشرے کی اصلاح اور نئی نسل کی بقا کے لیے کبھی بھی طاقت کا استعمال نہیں کیا ۔ کیا گن پوائنٹ پر ثقافت ' صحافت اور میڈیا کو سیدھا راستہ نہیں دکھایا جاسکتا ۔ کیونکہ جب تک ہم سیاسی طور پر بااختیار ہوں گے ' اس وقت تک شاید کئی صدیاں گزر جائیں گی ۔

یہ صرف دو خطوں کا معاملہ نہیں ' خیالات کے یہ جھکڑ بہت سے دلوں میں چل رہے ہیں ۔ اور اس میں تعجب کی بھی کوئی بات نہیں ۔ ایک طویل عرصے سے بے شمار ملکوں میں غلبہ دین کی تحریکوں پر بدترین جبر و تشدد ہو رہا ہے ' بیش تر جگہ پر امن تبدیلی کے دروازے بالکل بند ہیں ۔ جہاں برائے نام کھولے گئے ہیں وہاں عملاً مسدود ہیں ' جیسے مصر میں ۔ جہاں کچھ کامیابی ہوئی ہے وہاں بھی راستہ روک دیا گیا ہے ' جیسے ترکی اور الجزائر میں ۔ کہیں مواقع ہونے کے باوجود کامیابی نہیں ہو رہی ' جیسے پاکستان میں (اگرچہ ' وہ کامیاب ہوتی نظر آئے تو کیا ہو گا ' یہ الگ مگر اہم سوال ہے !) ۔ اور مسلمان حکمراں دم ہلا کر مغربی آقاؤں کے پیچھے چل رہے ہیں ' ان کے سیاسی و معاشی مفادات پورے کر رہے ہیں ' اس

کے جواب میں اگر چند لوگ تنگ آمد بجنگ آمد پر اتر آئے ہیں ' تو انھیں دہشت گرد قرار دیا جارہا ہے ۔ ان کی اور اپنی خاطر غیر اسلامی ثقافت کو فروغ دے رہے ہیں اور اسلامی قوتوں کو کچل رہے ہیں ۔

غلبہ دین کے لیے طریق کار کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ ہے ۔ اس کی وجہ سے ' بعض تحریکوں میں افتراق پیدا ہوا ہے ' اور متشدد ' اسلحہ بردار گروہ وجود میں آئے ہیں ۔ بعض جگہ بے اعتدالیاں بھی ہوئی ہیں ' اور ہو رہی ہیں ۔ ان خیالات اور بے اعتدالیوں کو بہانہ بنا کر ' اندرونی اور بیرونی حکمراں اسلامی تحریکوں کو کچل رہے ہیں ' اور جہاں تحریکیں موقع نہیں دے رہیں وہاں کچلنے کے لیے فضا بنا رہے ہیں (جیسے پاکستان میں) ۔

ہم نے اپنی جدوجہد کو جس اہتمام کے ساتھ قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح تعلیمات کی بنیاد پر استوار کیا ہے ' اللہ کا شکر ہے ' اس کی بنا پر خیالات کی یہ رو عام نہیں ہے ۔ جہاں موجود ہے وہاں بھی اس پر اطمینان نہیں ہے ' نہ یہ جڑ پکڑ سکی ہے ۔ اس کی بنا پر ابھی تک افتراق بھی نہیں پیدا ہوا ہے ۔ لیکن پریشان خیالی ' خصوصاً اگر اس کی بنیاد مایوسی ہو نہ کہ فکر و استدلال ' قوت عمل کو منتشر کر دیتی ہے ' شیرازہ بھی منتشر کر سکتی ہے ' اور خطرناک نتائج سے دوچار کر سکتی ہے ۔ اس لیے ان خطوط کے مندرجات ہماری گہری توجہ کے مستحق ہیں ۔

چند اور محترم ' صاحب علم و دانش ور دوست ہیں ' جو ہمارے شریک قافلہ تو نہیں مگر غلبہ دین کی منزل کے ہماری طرح جویا ہیں ۔ وہ اپنے موقف کے حق میں شرعی اور عقلی دلائل بھی لاتے ہیں ' اور ملک کے سماجی ' سیاسی اور معاشی حالات اور اب تک کے انتخابات کے تجزیے سے بھی استدلال کرتے ہیں ۔ بعض کہتے ہیں کہ جمہوریت کفر ہے ' تبدیلی صرف مسلح جہاد سے آئے گی ۔ بعض کے نزدیک اسلامی انقلاب ' اپنی نوعیت کے اعتبار سے ' انتخاب اور ووٹ سے آ ہی نہیں سکتا ۔ بعض کہتے ہیں کہ پورا موجودہ نظام ہی باطل اور فاسد ہے ' پہلے اس کو بدل دو ۔ بعض کا خیال ہے کہ ہمارا نظام جس طرح کا ہے ' اور موجودہ انتخابات جس انداز میں ہوتے ہیں ' ان میں کامیابی ناممکن ہے مگر کیونکہ ہمارا آئین بالغ رائے دہی کے ذریعے حکمرانوں کے عزل و نصب کی بنیاد پر قائم ہے ' اور حکومت کی پرامن تبدیلی کا کوئی راستہ انتخاب کے علاوہ نہیں ۔ اس لیے ان تمام سنجیدہ بحثوں کا حاصل بھی ' ہمیں درج بالا پریشان خیالی و مایوسی سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتا ۔ لیکن کیونکہ جمہوریت اور انتخاب کا مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے ' اس لیے اسے ہم کسی دوسرے وقت کے لیے اٹھا رکھتے ہیں ۔

اس مسئلے پر صحیح فکر تک پہنچنے کے لیے ' سب سے پہلے یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ غلبہ دین کی جدوجہد سے ہمارا اصل مطلوب و مقصود کیا ہے ' اور اس سلسلے میں ہماری ذمہ داریوں کی

حدود و شرائط کیا ہیں۔ جتنا یہ ادراک روشن اور صحیح ہو گا' اتنا طریق کار کے بارے میں غلط سوچ یا روش پیدا ہونے کا امکان کم ہو گا۔ ایک دفعہ اس بات کو سمجھ لیں گے' تو فکر کی ایک وسیع' راست شاہراہ ہمارے ہاتھ آجائے گی۔ پھر تدابیر کے حسن و قبح کے بارے میں اختلاف و بے اطمینانی ہو سکتی ہے' مگر اس شاہراہ کے بارے میں شکوک کے کانٹے ہم خود بہ آسانی نکال پھینکیں گے۔ خیالات کے جھکڑ اڑا کر ادھر ادھر نہ لے جاسکیں گے۔ ہر حال میں شرح صدر کی دولت حاصل رہے گی۔

غلبہ دین کے معنی و مقصد کو تین باہم مربوط اجزا میں بیان کیا جاسکتا ہے:

ایک' معاشرے اور نظام میں اصلاح و تبدیلی اور اسے دین و شریعت کے مطابق اطاعت الٰہی اور قسط پر قائم کرنا۔ دوسرے' افراد انسانی کا تزکیہ و تعلیم' تاکہ وہ اللہ کے ساتھ جڑیں' اس کی بندگی کریں' اچھے انسان بنیں' اور بالاخر جنت میں جاسکیں۔ تیسرے' اپنی ذات کا تزکیہ اور اور اپنی زندگی میں اقامت دین' تاکہ بالاخر رضائے الٰہی حاصل ہو اور جنت میں جاسکیں۔

ان مقاصد اور ان کے لیے جدوجہد کے مقامات و حدود کیا ہیں؟

پہلی بات: ساری جدوجہد کا اصل مطلوب' صرف ایک ہے: اپنے لیے اور دوسرے افراد کے لیے' جنت کا حصول ممکن بنانا۔ اس لیے کہ اصل زندگی' آخرت کی زندگی ہے۔ ان الدار الآخرۃ لھی الحیوان۔ جو جنت میں داخل ہو گا وہی کامیاب ہو گا۔ فمن زحزح عن النار و ادخل الجنۃ فقد فاز۔ اس مطلوب کا ظہور آخر میں ہو گا اس لیے اس کا ذکر آخر میں ہے' لیکن اس کا مقام اولین ہے کیونکہ ہر کام سے یہی مقصد حاصل ہونا چاہیے' اور ہر قول و فعل کا محور اور معیار یہی ہونا چاہیے کہ وہ جنت سے قریب کرے گا یا دور۔

چنانچہ اگر حکم طاقت استعمال کرنے کا ہے تو بیٹھے رہ جانا اور پیٹھ دکھانا گناہ ہو گا' لیکن اگر حکم ہاتھ روکے رکھنے کا ہے تو طاقت استعمال کرنا اور ہاتھ اٹھانا گناہ ہو گا۔

دوسری بات: اسی لیے' اصل اہمیت افراد کی ہے نہ کہ اجتماعی نظام کی۔ افراد کی اصلاح بجائے خود مطلوب ہے' جبکہ اجتماعی نظام کی اصلاح' انتہائی اہم ہونے کے باوجود' بجائے خود مطلوب نہیں۔ وہ افراد کی اصلاح اور ان کی دنیوی و اخروی فلاح کے لیے مطلوب ہے۔ اور اس لیے بھی کہ انسانوں کی قوت کے ذریعے ہی دین کا قیام ممکن ہے' انھی کے اوپر وہ قائم ہو گا' انھی کے ذریعے قائم رہے گا۔

چنانچہ اجتماعی اصلاح کی خاطر کوئی ایسے طریقے اختیار کرنا ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا جن سے افراد کی اصلاح کا دروازہ بند ہوتا ہو' یا وہ جنت سے دور اور آگ سے قریب ہوتے ہوں۔ تشدد سے دلوں کے دروازے بند ہوتے ہیں۔ لوگوں کو مارنے سے ان کی ہدایت کا امکان ختم ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو

ہلاک کرنا اسی وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ان پر اتمام حجت ہو گئی ہو' اور ان کی اصلاح سے مایوسی۔ اس کا تعین وحی الٰہی کے بند ہو جانے کے بعد ممکن نہیں۔ اس لیے' الا یہ کہ اللہ کے احکام کے مطابق جہاد کرتے ہوئے مخالفین مارے جائیں' صرف دین کی مخالفت یا گناہوں کی سزا میں لوگوں کو ہلاک کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ بے گناہوں کو' خصوصاً عورتوں' بچوں اور بوڑھوں کو مارنا' تو جہاد میں بھی منع ہے۔ اسی طرح' اگر مسلح انقلاب کی کوشش میں لوگ کثرت سے مارے جائیں' آبادیاں ملبہ بن جائیں' تو پاکیزہ نظام کن لوگوں پر قائم ہو گا اور اس کی برکات سے کون مستفید ہو گا۔ کیا صرف چند پاکیزہ نفوس

تیسری بات : ہر فرد انفرادی طور پر امتحان میں ڈالا گیا ہے' وہ خود ہی اپنی جواب دہی کرے گا۔ اسی لیے اس کو آزادی اور اختیار بخشا گیا ہے۔ اس کو مجبور کر کے اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ تو اس شیطان کو وسوسہ ڈالنے کے علاوہ انسان کے اوپر کوئی طاقت نہیں دی گئی۔ انبیا پر بھی بار بار واضح کیا گیا کہ تم کتنا ہی چاہو' کسی کو ہدایت پر چلانا تمھارے بس میں نہیں' تمھیں داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ انھیں دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا' اسی کے لیے مسئول بنایا گیا۔ لوگ مان لیں' جمع ہو جائیں' مطلوب قوت فراہم ہو جائے' ان کے ذریعے جہاد کر کے نظام بدل دیا جائے' یہ ایک الگ بات ہے۔

گن پوائنٹ پر ایک دل بھی سیدھا نہیں ہو سکتا' کجا یہ کہ سیاست' ثقافت' صحافت اور قوم سب کو سیدھا کر دیا جائے۔ مارشل لا کے ناکام تجربات ہمارے سامنے ہیں۔ جنرل یحییٰ ڈھاکہ آئے تھے' تو میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ آپ مسیحا کا رول نہ سنبھالیں۔ اگر ڈنڈے سے قوم کی اصلاح ہوا کرتی تو اللہ تعالیٰ انبیا کے بجائے فیلڈ مارشل مبعوث کیا کرتا۔ چنانچہ جدوجہد کرنے والوں کا پہلا فرض تو جو جانتے نہیں انھیں حق کا پہنچانا ہے۔ مطلوب حد تک یہ فرض ادا کیے بغیر طاقت کے استعمال کا جواز نہیں۔ جن کو ابدی زندگی کا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری ہم ابھی تک ادا نہیں کر سکے' ان کو سینما ہال میں بیٹھے بیٹھے موت کا پیغام پہنچا دینا' کس طرح اللہ کو پسند ہو سکتا ہے؟ جن حوا کی بیٹیوں کے کانوں میں اب تک ہم وہ تریاق نہیں ڈال سکے جو ان کے دلوں کو سلیم بنا سکتا ہے' ان کے اوپر تیزاب ڈال کر ان کے چہرے مسخ کر دینے سے ہم جنت کے مستحق کیسے بن سکتے ہیں؟

چوتھی بات : طاقت کا استعمال اگر جائز بھی ہو تو اس کے لیے ایک سرجن کی سی ہمدردی' سوز اور مہارت ضروری ہے۔ جہاں اس استعمال کے پیچھے مایوسی' غصے اور نفرت کے نفسانی جذبات کارفرما ہوں' وہ نہ استعمال کرنے والوں کے لیے فلاح کا باعث ہو سکتا ہے' نہ مقصد اصلاح کے لیے۔

پانچویں بات : اسی لیے جب تک پرامن ذرائع سے دعوت پہنچانے' منوانے اور اجتماعی تبدیلی لانے کے راستے کھلے ہوئے ہوں' اور جس وقت تک رائے عامہ اسلامی انقلاب کی پشت پناہی کے لیے

تیار نہ ہو جائے ' اس وقت تک اسلحہ اٹھا کر جہاد کرنا صحیح نہیں ہو گا۔ اور حکمرانوں کے چند اقوال و افعال کی بنیاد پر ان کی تکفیر کر کے ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے کا تو کوئی حکم ہمیں نہیں ملتا۔ پاکستان میں نہ صرف یہ کہ دعوت کی راہ میں کوئی جبر و تشدد حائل نہیں ' بلکہ لوگوں کو ساتھ لے کر انتخابات کے پرامن ذریعہ سے حکومت کی تبدیلی بھی ممکن ہے۔ اسی لیے سید مودودی نے واضح طور پر کہا تھا: ''آپ جس ملک میں کام کر رہے ہیں ' وہاں ایک آئینی اور جمہوری نظام قائم ہے۔ اس نظام میں قیادت کی تبدیلی کا ایک ہی آئینی راستہ ہے: انتخابات۔ ایک آئینی و جمہوری نظام میں رہتے ہوئے تبدیلی قیادت کے لیے کوئی غیر آئینی راستہ اختیار کرنا شرعاً آپ کے لیے جائز نہیں۔ اسی بنا پر آپ کی جماعت کے دستور نے آپ کو اس امر کا پابند کیا ہے کہ آپ اپنے پیش نظر اصلاح و انقلاب کے لیے آئینی و جمہوری طریقوں ہی سے کام کریں (لائحہ عمل ' ص ۲۰۵)۔

چھٹی بات: برائی کو ہاتھ سے روکنا یقیناً اسلام کا حکم ہے ' لیکن حکم اس چیز کے لیے ہے جو ہمارے دائرہ اختیار میں ہو ' جہاں یقینی ہو کہ ہاتھ کے علاوہ دوسرے ذرائع سے اصلاح کا امکان نہیں ' جہاں ایک منکر کے ازالہ سے دوسرا اس سے بڑا منکر وجود میں نہ آئے ' خصوصاً فساد فی الارض جیسا منکر نمودار ہو۔ احیاء العلوم میں اس موضوع پر امام غزالی نے شافی بحث کی ہے۔

ساتویں بات: اس طریق کار پر عمل کرنے کے لیے بڑے صبر کی ضرورت ہے۔ صبر ہی سے تقویٰ اور حکمت کا سرمایہ ہاتھ آتا ہے جو کامیابی کے لیے ناگزیر ہے۔ وان تصبروا وتتقوا ۔ ۱۹ آیات میں قرآن نے نبی کریم ؐ کو صبر کرنے کی تاکید کی ہے ' جدوجہد کا فیصلہ اللہ پر چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔ ۳۰ سے زیادہ آیات میں جنت اور دنیا میں کامیابی صبر کے ساتھ مشروط کی گئی ہے۔

پرامن اعلائے کلمۃ الحق میں یقیناً ابھی کامیابی نہیں ہو رہی ' اور دیر لگ رہی ہے ' لیکن کیا مسلح جدوجہد کے ذریعے سے کامیابی ہو رہی ہے ' یا جلد منزل ہاتھ آتی نظر آ رہی ہے؟ اگر ایک طرف الجیریا ' ترکی اور پاکستان میں ناکامی کی مثالیں ہیں ' تو دوسری طرف مسلح جدوجہد کے باوجود شام ' مصر ' افغانستان اور خود الجیریا میں بھی ناکامی کی مثالیں موجود ہیں۔ یقیناً جہاں پرامن ذرائع سے کام ہو رہا ہے ' وہاں غلط حکومتیں قائم ہیں ' اور بگاڑ بڑھ رہا ہے۔ لیکن جہاں طاقت استعمال ہو رہی ہے ' کیا وہاں حکومتیں گر رہی ہیں اور بگاڑ کم ہو رہا ہے؟

جماعت اسلامی ' سید مودودی کی دعوت پر جمع ہوئی ہے۔ انھوں نے اسے قرآن و سنت کی روشنی میں جس طریق کار کا پابند کیا ' وہ انھی کے الفاظ میں سنیے: ۱۹۶۲ میں ' مکہ معظمہ میں ' وہاں عرب نوجوانوں سے خطاب کر رہے تھے۔ جو ۱۰ سال سے ایسے بدترین جبر و استبداد اور تعذیب و تشدد کا

شکار تھے جس کا عشر عشیر بھی پاکستان میں پیش نہیں آیا۔ ان سے انھوں نے کہا: ''میری آخری نصیحت یہ ہے کہ آپ کو خفیہ تحریکیں چلانے اور اسلحہ کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کی کوشش نہ کرنا چاہیے۔ یہ بھی دراصل بے صبری اور جلد بازی ہی کی ایک صورت ہے ' اور نتائج کے اعتبار سے دوسری صورتوں کی بہ نسبت زیادہ خراب ہے۔ ایک صحیح انقلاب ہمیشہ عوامی تحریک ہی کے ذریعے سے برپا ہوتا ہے۔ کھلے بندوں عام دعوت پھیلایئے ... لوگوں کے خیالات بدلیے ' اخلاق کے ہتھیاروں سے دلوں کو مسخر کیجیے۔ اس طرح بتدریج جو انقلاب برپا ہو گا وہ ایسا پائے دار اور مستحکم ہو گا جسے مخالف طاقتوں کے ہوائی طوفان محو نہ کر سکیں گے۔ جلد بازی سے کام لے کر مصنوعی طریقوں سے اگر کوئی انقلاب رونما ہو جائے تو جس راستے سے آئے گا اسی راستے سے وہ ہٹایا جاسکے گا'' (تفہیمات ' ج ۳' ص ---)

پھر ۱۹۶۸ میں لندن کے عربی رسالہ مجلۃ الغربا کو انٹرویو دیتے ہوئے انھوں نے مزید کہا: اسلامی تحریکوں کے کارکنوں کو'' ہر طرح کے خطرات و نقصانات برداشت کر کے بھی علانیہ ' پرامن اعلائے کلمۃ الحق کا راستہ ہی اختیار کرنا چاہیے ' خواہ اس کے نتیجے میں ان کو قید و بند سے دوچار ہونا پڑے ' یا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی نوبت آئے'' (تصریحات ' ص ۱۵۷)۔

ہمیں یقین ہے کہ ہمارے دوست ' مایوسی اور غم و غصے سے بالاتر ہو کر ' سوچیں گے تو انھیں شرح صدر حاصل ہو جائے گا کہ جو بنیادی طریق کار جماعت اسلامی نے اختیار کیا ہے وہ عین قرآن و سنت کا منشا ہے۔ دنیا میں بھی کامیابی کا امکان ہے تو اسی طریق کار میں مضمر ہے۔

اس سب کے باوجود ' جب سے وزیراعظم نے امریکہ کو یہ پیش کش کی ہے کہ وہ پاکستان کو اسلامی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کے خلاف فرنٹ لائن ریاست بنانے کے لیے تیار ہے ' اس وقت سے حکومت اور میڈیا کے چند حلقوں نے دینی عناصر کے خلاف بالعموم ' اور جماعت اسلامی کے خلاف بالخصوص ' دہشت گردی اور مسلح جدوجہد کے بے بنیاد اور من گھڑت الزامات کی ایک منظم مہم چلا رکھی ہے۔ کبھی دینی مدارس کو ہدف بنایا جاتا ہے ' کبھی فرقہ وارانہ تشدد اور نفرت کو۔ حالانکہ سیکولر اداروں میں تشدد کچھ کم نہیں ' اور کراچی و پنجاب میں ''جمہوریت'' کے دعوے داروں کے درمیان قتل و خون ریزی اور منافرت و تشدد کے مقابلہ میں مذہب کے نام پر کارروائیاں کچھ بھی نہیں۔ رمزی یوسف کی گرفتاری ہو ' مصری سفارت خانے پر بم کا دھماکا ہو ' مرحوم جنرل ضیاالحق کے دور کا ذکر ہو ' انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کا کوئی طالب علم ملوث پایا جائے ' فرقہ وارانہ فساد ہو ' ملی یک جہتی کونسل کا قیام ہو ' جماعت اسلامی کا اجتماع عام ہو ' فوجی افسروں پر ڈسپلن کی خلاف ورزی کا الزام ہو ' تان اسلام کے '

دینی عناصر کے 'اور جماعت اسلامی کے خلاف آکر ٹوٹتی ہے۔

اس پروپیگنڈا مہم کے خطوط واضح ہیں: گوئبلز کی طرح جھوٹے الزامات لگاتے جاؤ' ہر چیز کا رشتہ اسلام اور اسلام کے شعار و علامات سے جوڑو' ایک بھیانک تصور بناؤ' اور اس طرح عام ذہن کو زہر آلود کر دو۔ فوجی افسر کیا کرنا چاہتے تھے 'کوئی بات ثابت نہیں۔ لیکن بڑی چابک دستی سے اس کا "رشتہ اسلامی انقلاب"، "امیرالمومنین" بننے' اور "شریعت" نافذ کرنے سے جوڑ دیا گیا۔ مسلم ممالک سے مہمان آئے 'تو وہاں کی غیر قانونی' دہشت گرد جماعتوں سے رابطوں کے جال کی نشاندہی کر دی گئی۔ جماعت اسلامی کے اجتماع عام میں اسلامی انقلاب کے نعرے لگے 'تو اس پر بغاوت پر اکسانے کا الزام دھر دیا گیا' اس کو غیر قانونی سرگرمیوں کا مرتکب ٹھہرایا گیا الارم کا بگل بجا دیا گیا کہ جمہوریت' دہشت گرد اور عسکریت پسند بنیاد پرستوں کے ہاتھوں سب سے سنگین خطرے سے دوچار ہے۔

جماعت اسلامی' مستقلاً اپنے اس طریق کار پر گام زن ہے کہ "تبلیغ و تلقین اور اشاعت افکار کے ذریعے سے ذہنوں اور سیرتوں کی اصلاح کی جائے اور رائے عامہ کو ان تغیرات کے لیے ہموار کیا جائے جو جماعت کے پیش نظر ہیں"۔ جماعت کی نصف صدی کی تاریخ ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ کوئی شخص اس پوری تاریخ میں کوئی داغ نہیں دکھا سکتا کہ اس نے کبھی اپنے دستور کی خلاف ورزی کی ہو' اور ایسے ذرائع اور طریقے اختیار کیے ہوں جو "صداقت اور دیانت کے خلاف ہوں یا جن سے فساد فی الارض رونما ہوتا ہو"۔

اس کی سرگرمیوں میں غالب حصہ دعوتی' تبلیغی' تعلیمی اور رفاہ عامہ کے کاموں کا ہے' یہ تو اظہر من الشمس ہیں۔ یہ بات بھی سب ہی جانتے ہیں کہ اس نے قرارداد مقاصد کا مطالبہ منظور کرایا تو رائے عامہ ہموار کر کے' اسلامی دستور کی مہم کو کامیابی سے ہمکنار کیا تو رائے عامہ کے بل پر' ایوب خاں کے مارشل لا کے خلاف جدوجہد کی تو جمہوری طریقوں سے' ان سے بنیادی حقوق بحال کروائے تو نو میل لمبا دستخطی محضرنامہ تیار کر کے' بھٹو صاحب کے سول مارشل لا سے نجات حاصل کی تو انھی کی اسمبلی کے فلور پر' قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دلوایا تو انھی کی اسمبلی کے قانون کے ذریعے' ان کی جمہوری آمریت کے خلاف جدوجہد کی تو انتخابات کے جمہوری طریقے سے' یہاں تک کہ اسے خلاف قانون قرار دیا گیا' قید اور پھانسی کی سزائیں دی گئیں' تو بھی اس نے عدالتوں ہی سے رجوع کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ پاکستان' اور تمام مسلم ممالک میں' جمہوریت کو کچلنے اور سیاسی و معاشی آزادیوں سے محروم کرنے میں پیش پیش سیکولر اور لبرل' فوجی اور سیاسی عناصر رہے ہیں۔ مگر خطرناک

گر دانا جاتا ہے تو دینی عناصر کو۔ مصطفیٰ کمال ' جمال عبدالناصر ' سوکارنو ' ایوب خاں ' بھٹو ' صدام حسین حافظ اسد ۔۔۔ ان میں سے کسے مذہبی کہا جاسکتا ہے۔ جماعت اسلامی نے ایک طرف ہمیشہ آمریت کے خلاف اور جمہوریت کی بحالی کے لیے جدوجہد کی ہے تو اس نے دوسری طرف ' اس نے کبھی سیاسی مزاحمت کو ایسی منافرت میں نہیں بدلنے دیا جو قومی مفاد کے لیے نقصان دہ ہو ' جیسا کہ آج پیپلز ' مسلم لیگ اور ایم کیو ایم کر رہے ہیں۔ ایوب خاں کے مارشل لا کے خلاف وہ پیش پیش تھی ' انھوں نے جماعت اسلامی کو غیر قانونی قرار دیا اور اس کی ساری قیادت کو جیل بھیج دیا ' مگر ۱۹۶۵ کی جنگ میں سید مودودی نے بلاتامل دست تعاون دراز کر دیا۔ وہ ختم ہوئی تو پھر تحریک بحالی جمہوریت کی قیادت میں مصروف ہوگئے۔ بھٹو صاحب کی سول آمریت کے خلاف بھی جماعت نے بھرپور جدوجہد کی ' مگر ان کی بدترین گالیوں اور انسانیت سوز کارروائیوں کے باوجود ' جب وہ شملہ کانفرنس کے لیے گئے تو میاں طفیل محمد انھیں رخصت کرنے ایر پورٹ گئے۔ ضیاء الحق صاحب نے افغان جہاد کی پشت پناہی کی ' اور قانون اور ثقافت میں کچھ اسلامی اقدامات کیے تو جماعت نے ان اقدامات کو سراہا ' مگر کوئی دن ایسا نہ گیا جب ان پر یہ دباؤ نہ ڈالا ہو کہ وہ وردی اتاریں ' بنیادی حقوق بحال کریں ' اور حکومت عوام کے منتخب نمایندوں کے حوالے کر دیں۔

حق یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے خلاف حکومت اور میڈیا کے چند حلقوں کے الزامات محض من گھڑت ہونے سے زیادہ اور کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ یہ الزام ایک گھناؤنے منصوبے کا حصہ ہیں ' جس کا مقصد جماعت اسلامی اور دیگر دینی اداروں اور تنظیموں کو کچلنا ہے۔

چنانچہ ' لاہور کا انگریزی روزنامہ دی نیوز اپنے اداریہ میں جماعت اسلامی پر انگلی رکھتے ہوئے کہتا ہے : بے شک صدر اور وزیراعظم ' مذہب کے لبادے میں دہشت گردی کے اس خطرے سے لڑنے کا عزم کر چکے ہیں ' لیکن اس کے لیے مضبوط سیاسی ارادے اور عوام اور تمام خفیہ ایجنسیوں کی پشت پناہی ضروری ہے۔ ''یہ کیوں ضروری ہے؟ کیونکہ ''ماضی میں آدھے پونے اقدامات سے کوئی فائدہ نہیں ہوا ' الٹا ان مذہبی انقلابیوں کے حوصلے اور مضبوط ہوئے''۔ اب تو اسے پوری طرح کچلنے اور ختم کرنے کی ضرورت ہے۔ ''حکومت اکیلے یہ عظیم کام سرانجام نہیں دے سکتی ' جسے ہر سطح پر اور ہر شعبے میں کیا جانا ضروری ہے۔ اس لیے حکومت اور اپوزیشن کو متحد ہو جانا چاہیے تاکہ سیاسی و معاشی آزادی کے خلاف اس سنگین خطرہ کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا جائے''۔

کراچی کا انگریزی ماہنامہ ہیرالڈ لکھتا ہے : ''حکومت کا سارا نزلہ سپاہ صحابہ جیسے فرقہ وارانہ گروہوں پر گرتا ہے ' جن جماعتوں کے بین الاقوامی دہشت گردی سے روابط ہیں ' ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ (مصری سفارت خانہ پر حملہ کے بعد) اب بھی ایسا لگتا ہے کہ حکومت کے

اعصاب جواب دے رہے ہیں''۔ اس کالم کے اوپر جماعت اسلامی کے اجتماع عام اور امیر جماعت قاضی حسین احمد صاحب کی تصویر ہے۔

اس مہم کی تازہ ترین اور سب سے شرمناک مثال فار ایسٹرن اکنامکس ریویو ' دی نیوز ' ہیرالڈ میں اور دیگر اخباروں میں احمد رشید کی یہ خبر ہے کہ ''جماعت اسلامی چین کے سنکیانگ صوبے میں اسلامی انقلاب کے لیے مسلح جدوجہد کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔ بیجنگ کو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنکیانگ میں تیزی سے بننے والی مساجد و مدارس کے لیے رقم کہاں سے آ رہی ہے؟ چین نے بارہا اسلام آباد سے مطالبہ کیا ہے کہ پاکستان میں جماعت اسلامی اور اس جیسے دینی گروپوں پر پابندی لگائی جائے''۔ اگرچہ اگلے ہی روز چین کی حکومت نے اس من گھڑت خبر کی مکمل تردید کر دی ' لیکن خبر برقرار رہی۔ اس کا مقصد بالکل عیاں ہے۔ لوگ کس طرح میڈیا کے یک طرفہ اور من گھڑت الزام پر یقین کر لیتے ہیں ' اس کی نمایاں مثال فوجی افسران پر مبینہ ''اسلامی انقلاب'' کے الزام کی ہے۔ جو کہانی حکومت نے بیان کی ہے اس میں سنگین خلا ہیں ' ثبوت کا شائبہ بھی فراہم نہیں کیا گیا ہے ' مقدمہ شروع نہیں ہوا ہے ' کھلی عدالت میں مقدمہ چلانے کے لیے فوج اور حکومت تیار نہیں ' لیکن اس خبر پر اس طرح یقین ظاہر کیا گیا ہے گویا آسمان سے وحی نازل ہوئی ہے ' اور اس کے بہانے فوج میں اسلامیت کو ' اسلام کو ' اور اسلامی تحریکوں کو جی بھر کے لتاڑا گیا ہے۔

یہ صورت حال اس بات کا اندیشہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے کہ جماعت اسلامی پر ہاتھ ڈالنے کے لیے فضا بنائی جا رہی ہے ' اور یہ اقدام کرنے کے لیے یہ ضروری نہ ہو گا کہ جماعت کے خلاف کوئی الزام ثابت بھی کیا جائے۔ اگرچہ ہم توقع رکھتے ہیں کہ ' پاکستان کی سیاسی و سماجی روایات کے پس منظر میں ' یہ کام آسان نہ ہو گا ' لیکن ہمیں تمام آزمائشوں کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ ان حالات میں ضروری ہے کہ ہم پورے شرح صدر اور استقامت سے اسی طریق کار پر جمے رہیں جس کی تعلیم قرآن و سنت نے دی ہے ' اور جس پر سید مودودی ہمیں قائم کر گئے ہیں۔ جوش اور جذبات میں ہمارا قدم اس راہ سے ہٹنے نہ پائے۔ حکومت اور میڈیا کے غلط پروپیگنڈے کا توڑ کرنے کے لیے عوامی روابط کا جال بچھا دیں۔ اس صورت حال کو رونما ہونے سے روکنے کے لیے تمام حکیمانہ تدابیر اختیار کریں۔ خصوصاً زیادہ سے زیادہ دوست بنائیں ' تاکہ کسی ایسے وقت ہم تنہا نہ ہوں۔ اصل دوست اللہ ہے ' اس سے اپنی دوستی مضبوط کریں۔ اتنا صبر اور اتنا عزم پیدا کریں کہ ' سید مودودی کی ہدایت کے مطابق ' ''ہم علانیہ پرامن اعلائے کلمۃ الحق کے راستہ'' پر ہی چلتے رہیں ' ''خواہ اس کے نتیجے میں قید و بند سے دوچار ہونا پڑے یا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانے کی نوبت آ جائے''۔

شاہ ولی اللہ کے اصولِ تفسیر

قرآن مجید کے باب میں شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ تا ۱۷۶۲) اور ان کے خانوادے نے غیر معمولی خدمات انجام دی ہیں۔ وہ پہلے مفسر ہیں جنھوں نے تشریحی حواشی کے ساتھ قرآن کا فارسی ترجمہ کیا' اور یہ دروازہ اس طرح کھولا کہ اردو میں ترجموں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ انھوں نے نہ صرف قرآن کے ترجمے کے اصول مرتب کیے 'بلکہ فارسی میں تفسیر کے اصولوں پر بھی ایک مہتم بالشان رسالہ تصنیف کیا۔ پورا رسالہ ہی قرآن فہمی کے لیے ایک ناگزیر کلید ہے 'لیکن بعض اصول اس راہ میں گہری بصیرت اور انقلابی مضمرات پر مشتمل ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ قارئین کے لیے شاہ صاحب کے اصول تفسیر کے اہم نکات کا خلاصہ بہت مفید ہو گا (مدیر)۔

اس بندۂ ضعیف پر اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار انعامات کیے ہیں 'ان میں سب سے بڑا انعام قرآن عظیم کے فہم کی توفیق ہے۔ اور امت کے اس کم ترین شخص پر حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے انتہا احسانات کیے ہیں 'ان میں سب سے بڑا احسان اس فرقان کریم کی تبلیغ ہے۔

فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم کہتا ہے: جب کہ اس فقیر پر کتاب اللہ کو سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا ہے 'تو میں چاہتا ہوں کہ بعض مفید نکات' جو کلام اللہ کو سمجھنے میں دوستوں کے کام آ سکتے ہیں' ایک مختصر رسالے میں جمع کر دوں۔ حضرت باری تعالیٰ کی عنایت سے امید ہے کہ صرف ان قواعد کو سمجھ لینے سے طالب علموں کے لیے کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے ایک وسیع اور واضح راہ کھل جائے گی جو کتبِ تفسیر کا مطالعہ کرنے سے یا مفسرین سے قرآن پڑھنے سے بھی ہاتھ نہ آئے گی۔

میں نے اس رسالے کا نام الفوز الکبیر فی اصول التفسیر رکھا ہے۔

۱ – علومِ قرآنی

قرآن مجید کے علوم پانچ قسم کے ہیں 'اس کی کوئی تعلیم ان سے باہر نہیں۔ انھی علوم پنج گانہ کا بیان' قرآن کے نزول کا اصل مقصد ہے:

۱۔ علم مخاصمہ: یعنی گمراہ فرقوں ـــــ جیسے مشرکین' یہودیوں' عیسائیوں اور منافقین ـــــ کے ساتھ مباحثہ اور مجادلہ۔

۲۔ علمِ تذکیر بآلاء اللہ: یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور آیات کا علم' جیسے زمین و آسمان کی

پیدائش، بندوں کو ان کی ضروریات کی تعلیم اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان۔

۳۔ علم تذکیر بایام اللہ: یعنی تاریخی واقعات کا علم، جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے وجود میں آتے ہیں، جیسے مطیع بندوں پر انعامات اور مجرموں پر عذاب کے واقعات۔

۴۔ علم تذکیر بموت و مابعد: یعنی موت اور موت کے بعد پیش آنے والے واقعات کا علم، جیسے حشر و نشر، حساب و میزان اور جنت و جہنم کا بیان۔

۵۔ علم احکام: یعنی فرض، مستحب، مباح، مکروہ اور حرام امور کے احکام کا علم، خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے، معاشرت سے ہو یا سیاست و معیشت سے۔

۲ – اسلوبِ قرآنی

سب سے پہلے یہ بنیادی بات جاننا ضروری ہے کہ قرآن میں ان علوم کا بیان قدیم عربوں کی رَوِش اور اسلوب پر ہوا ہے، جو اس کے اولین مخاطب تھے، اور متاخرین کا اسلوب اختیار نہیں کیا گیا۔ مثلاً، آیات احکام میں وہ اختصار نہیں ملحوظ رکھا گیا جس کا اہتمام قانون کے مسودہ نگار کرتے ہیں، نہ اصولیوں کی طرح غیر ضروری قیود کی تنقیح کی گئی ہے۔ اسی طرح آیات مخاصمہ میں منطقیوں کی طرح دلائل پیش نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ مخاطبوں کے نزدیک مُسلّمہ امور نیز مشہور و معروف کلیات پر، اور خطاب کے مفید مطلب اسلوب پر بحث کا مدار رکھا گیا ہے۔ ادیبوں کی طرح ایک مضمون ختم کر کے دوسرا مضمون شروع کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا ہے، بلکہ جو بات بندوں کو بتانا ضروری سمجھا ہے اسے بیان کر دیا ہے، خواہ وہ مقدم ہو جائے یا موخر۔

۳ – شانِ نزول

[شان نزول کی اصل حقیقت کو سمجھنا، فہم قرآن کے لیے انتہائی اہم ہے۔ تفصیل بعد میں آئے گی، مجملاً یہ جاننا چاہیے کہ] مفسرین عام طور پر ہر آیت کے ساتھ، احکام کی ہو یا مخاصمہ کی، کوئی نہ کوئی قصہ ضرور جوڑتے ہیں، اور اسے اس آیت کا سبب نزول قرار دیتے ہیں۔ لیکن حق بات یہ ہے کہ قرآن کے نزول کا مقصد، [یعنی اس کی شان نزول]، صرف ایک ہے: وہ ہے انسانوں کے نفوس کا تزکیہ و تہذیب، اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کا ازالہ۔

چنانچہ آیاتِ مخاصمہ کی شان نزول لوگوں کے باطل عقائد ہیں، [خواہ وہ کسی زمانے اور کسی قوم میں ہوں]۔ آیات احکام کی شان نزول ان کے فاسد اعمال ہیں، اور آیات تذکیر کی شان نزول یہ ہے کہ لوگ اللہ کی نعمتوں، تاریخی واقعات اور حیات بعد الموت سے تنبیہ حاصل نہیں کرتے۔

جزئی واقعات کی ان تفصیلات کو، جنھیں بیان کرنے کی زحمت اٹھائی گئی ہے، (فہم قرآن میں) کچھ

دخل نہیں ہے۔ ہاں، چند آیات ایسی ضرور ہیں جن میں آنحضرت ؐ کے زمانے میں، یا آپؐ سے پیش تر، ہونے والے کسی واقعے کا ذکر ہے۔ اس واقعے کو بیان کیے بغیر مخاطب کی تشفی نہ ہوگی، [نہ مفہوم پوری طرح واضح ہو گا]۔ پس لازم ہے کہ علومِ قرآنی کی تفسیر اس طرح کریں کہ (شانِ نزول کے) ان واقعات کی مدد لینا ضروری نہ ہو۔

۱ – علومِ قرآن

علمِ مخاصمہ

[اس باب میں قرآن کا اسلوب وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ کا بہترین و کامل نمونہ ہے۔]

قرآن مجید میں مخاصمہ کی دو قسمیں ہیں: ایک، گمراہ لوگوں کے باطل عقائد کو بیان کر کے، اور ان عقائد کی خرابیاں واضح کر کے، ان کو رد کیا گیا ہے۔ دوسرے، ان کے شبہات بیان کر کے، انھیں، واضح اور قطعی دلائل یا خطابی اسلوب سے، دور کیا گیا ہے۔

۱ – مشرکین

مشرکین اپنے آپ کو حنیف کہتے تھے، اور ملت ابراہیمی کی پیروی کے دعوے دار تھے۔

ملت ابراہیمی کے حج، قبلے کی طرف رخ، غسل جنابت اور ذبیحہ جیسے شعار وہ تسلیم کرتے تھے۔ اسی طرح اصل ملت میں وضو، نماز، روزہ، یتامیٰ و مساکین کے لیے صدقہ جیسے نیک اعمال بھی مشروع تھے۔ جو یہ احکام بجا لائیں، مشرکین ان کی تعریف کرتے تھے، اگرچہ انھوں نے ان احکام پر عمل تقریباً ترک کر دیا تھا۔ اسی طرح قتل، چوری، زنا اور غصب کی حرمت بھی ان کو تسلیم تھی، مگر وہ ان کا ارتکاب بھی کھلم کھلا کرتے تھے۔

ان کے اشعار اور دیگر شواہد ثابت کرتے ہیں کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے تھے۔ قرآن کے سوالات کے جوابات میں وہ اقرار کرتے تھے کہ: زمین و آسمان کو اللہ نے پیدا کیا ہے، بڑے بڑے کاموں کی تدبیر وہی کرتا ہے (مثلاً وہی پانی برساتا ہے، اور زمین سے فصلیں اگاتا ہے)، وہ رسول بھیجنے اور اعمال کا بدلہ دینے پر قادر ہے، حوادث کے واقع ہونے سے پیش تر ان کو مقدر کرتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

مگر انھوں نے اس ایمان میں متعدد گم راہیوں کی آمیزش کر لی تھی: مثلاً شرک، تشبیہ، تحریف، قیامت کا انکار، اور رسالت آنحضرت ؐ کا انکار، باہمی ظلم، فحش اعمال، غلط رسوم کی پابندی وغیرہ۔

وہ کارِ تخلیق میں اور بڑے امور کی تدبیر میں کسی کو بھی اللہ کا شریک نہیں مانتے تھے، نہ وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ کوئی بھی اللہ کے ارادے اور قدرت سے بالا تر ہو سکتا ہے۔ ان کا شرک یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ، دنیاوی بادشاہوں کی طرح، بعض جزئی معاملات کی تدبیر خود نہیں کرتا، بلکہ اس نے بعض

مخلوقات کو مختار اور متصرف بنا دیا ہے، بعض بندوں کو الوہیت کی خلعت دی ہے، ان کی خوشنودی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت کے لیے ضروری ہے، اور ان کی سفارش اس کے ہاں کارگر۔ انھی خاص بندوں کے انھوں نے بت بنا لیے تھے۔ ان کی تشبیہ یہ تھی کہ اللہ کی صفات کو انسانی صفات کی مانند سمجھتے تھے۔ ان کی تحریف یہ تھی کہ، بتوں کے علاوہ، انھوں نے بے شمار بدعات کو ملت ابراہیمی کا جز بنا لیا تھا۔ قیامت کو وہ بعید از امکان تصور کرتے تھے۔ رسالت سے وہ واقف تھے، لیکن رسول اور اللہ کے درمیان مشابہت ضروری سمجھتے تھے۔ اسی لیے وہ اس قسم کے فضول شبہات پیش کرتے تھے کہ فرشتے کو رسول کیوں نہیں بنایا، یہ کیسا رسول ہے جو کھانے پینے کا، اور بازاروں میں روزی کمانے کا محتاج ہے۔

مشرکین سے مباحثہ و استدلال: کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ؐ کو اہلِ عرب میں مبعوث کیا اور ملتِ ابراہیمی کے قیام پر مامور کیا، اس لیے قرآن مجید ان مشرکین کے ساتھ مخاصمہ میں دین ابراہیمی کی ان بچی کھچی تعلیمات سے استدلال کرتا ہے جنھیں وہ تسلیم کرتے تھے، تاکہ ان پر حجت پوری ہو جائے۔ [قرآن کا عام اسلوب یہی ہے]۔

۱۔ وہ مخاطبین سے ان کے عقائد و اعمال پر دلیل کا مطالبہ کرتا ہے، اور ان کے اس دعوے کا غلط ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے آباواجداد کے طریقے پر چل رہے ہیں۔

۲۔ ثابت کرتا ہے کہ جن کو وہ اللہ کا شریک بناتے ہیں، وہ کسی طرح بھی اس کے مثل یا اس کے برابر نہیں، اور اس انتہائی تعظیم کے ہرگز مستحق نہیں جو صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

۳۔ وہ واضح کرتا ہے کہ تمام انبیا کا توحید خالص پر اجماع رہا ہے: (لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ)

۴۔ باطل معبودوں کا ہر قسم کی قدرت اور صفت سے محروم ہونا، آشکار کرتا ہے۔

۵۔ خدا میں انسانی صفات کا ہونا، اس کی خدائیت اور اس کی ذات و منات کے منافی ہونا واضح کرتا ہے۔

۶۔ جسّی تحریف کی سند ائمہ دین سے نہیں ملتی، اس لیے یہ تمام افترا اور بدعت ہیں۔

۷۔ اسی طرح آخرت اور رسالت کے بارے میں عقلی اور خطابی مباحثہ کرتا ہے۔

ان مضامین کو وہ متعدد سورتوں میں، مختلف طریقوں اور اسالیب سے، اور بڑی بلیغ تاکیدات کے ساتھ ثابت کرتا ہے، اور ان کی بار بار تکرار سے گریز نہیں کرتا۔

۲۔ یہود اور ان سے مخاصمہ

یہودی توریت کو کتابِ الٰہی مانتے تھے۔ ان کی گمراہی یہ تھی: انھوں نے توریت کی آیات میں تحریف کی تھی، لفظی بھی اور معنوی بھی۔ بعض آیات و احکام کو چھپا دیا تھا۔ بعض نئے احکام کو کتاب

الٰہی کا حصہ بنا دیا تھا۔ احکام پر عمل میں بہت ٹال مٹول کرتے تھے۔ مذہبی تعصب میں بڑے سخت تھے۔ آنحضرت ؐ، نیز خدا کی، شان میں بے ادبی اور طعن کرتے تھے۔ بخل و حرص میں مبتلا تھے۔ فقیر کے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہود لفظی تحریف توریت کے ترجمے میں کرتے تھے، یہی رائے ابن عباس ؓ کی بھی ہے۔ تحریف معنوی یہ تھی کہ راہِ راست سے ہٹ کر، سینہ زوری کر کے، آیت سے اس کے اصل معنی کے خلاف معنی نکالتے تھے۔

تحریف کی ایک مثال: توریت میں یہودیوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہے، (جیسے انجیل میں عیسائیوں کو اور قرآن میں مسلمانوں کو دی گئی ہے)۔ یہ بشارت ایمان وعمل صالح کے ساتھ مشروط ہے، (جس کے حامل اس وقت یہودی تھے)۔ ان الفاظ سے ہرگز کوئی خاص فرقہ مراد نہیں ہے۔ مگر یہودیوں نے یہ سمجھ لیا کہ جس پر یہودی کا لیبل لگا ہو، وہی جنت میں جائے گا۔

تحریف کی دوسری مثال: ہر مذہب میں شرعی احکام اس زمانے کے مصالح کے مطابق دیے گئے، اور مخاطب قوم کی عادات کی موافقت کی گئی، اور انھی احکام کو ہمیشہ مرجع بنانے اور ان پر عمل کرنے کی سخت تاکید کی گئی۔ لیکن منشا یہ تھا کہ فقط اس زمانے میں حق ان احکام پر منحصر تھا، اور جب تک کوئی دوسرا نبی نہ آئے، انھی احکام پر اعتماد کیا جائے گا، نہ کہ دوام حقیقی۔ لیکن یہودیوں نے اس کا مطلب یہ قرار دے لیا کہ دین یہودیت کے احکام کبھی منسوخ نہ ہوں گے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب کسی ملت کے احکام کی پیروی کی تاکید کی جاتی ہے، تو اس سے اصل مراد ایمان اور عمل صالح کی پابندی کی تاکید ہے، نہ کہ ہر صورت میں اس ملت کے احکام کی۔

کتمان آیات کی مثالیں: زنا کی سزا اور بشارت نبوی ؐ کی آیات کا چھپانا ہے۔

افترا کا ایک سبب تو تعمق اور تشدد تھا، (یعنی بال کی کھال نکالنا، اور جزئیات میں شدت برتنا)۔ دوسرا سبب استحسان تھا، یعنی، شارع کی نص کے بغیر، بعض احکام کا صرف اس لیے استنباط کرنا کہ ان میں کوئی مصلحت ہے، پھر ان بیہودہ استنباطات کو رواج دینا، اور جب ان کی پیروی ہونے لگے تو انھیں کتاب الٰہی کا مقام دے دینا۔ اسی طرح اپنے سلف کے اجماع کو دلیل قطعی خیال کرنا۔

اگر آج یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہوں تو ان علماے سو کو دیکھو جو دنیا کے طالب اور اپنے سلف کی اندھی تقلید کے خوگر ہیں، تعمق، تشدد اور احسان کو سند، اور شارع معصوم ؐ کے کلام کو چھوڑ کر موضوع احادیث اور فاسد تاویلات کو اپنا راہ نما بنا بیٹھے ہیں۔

آنحضرت ؐ کی رسالت سے انکار کا ایک سبب تو یہود کا حسد تھا، کہ آپ ؐ بنی اسماعیل میں سے تھے۔ دوسرا سبب وہ اختلاف تھا جو آپ ؐ کی شریعت اور یہودیت کے درمیان پایا جاتا تھا۔

شرائع کے اختلاف کی حقیقت سمجھنا ضروری ہے۔ نبوت کا کام انسانوں کی اصلاح اور ان کی

عادات و عبادات کی درستی ہے، نہ کہ نیکی اور بدی کے نئے اصول ایجاد کرنا۔ ہر قوم اپنی عبادات، معاشرت اور سیاست و معیشت میں خاص عادات کی پابند ہوتی ہے۔ اس قوم میں اگر نبی آئے، تو وہ ان کی تمام قدیم عادات کو اکھاڑ کر ان کی جگہ نئی عادات قائم نہیں کرتا۔ بلکہ وہ موجود عادات کی چھانٹ پھٹک کرتا ہے۔ جو قاعدے اور خدا کی مرضی کے مطابق ہوں، انھیں باقی رکھتا ہے۔ جو خلاف ہوں، ان میں بقدر ضرورت تبدیلی کرتا ہے۔ تذکیر بالاء اللہ اور تذکیر بایام اللہ بھی، اسی اسلوب پر، ان علوم کے ذریعہ ہوتی ہے جو اس قوم کے ہاں مشہور ہوں، اور جس سے وہ آشنا اور مانوس ہوں۔

اس نکتے کی وجہ سے انبیا کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں۔ یہ اختلاف اسی انداز کا ہے، جیسے دو مختلف مریضوں کے علاج میں ایک طبیب کے علاج میں اختلاف ہوتا ہے۔ طبیب کی غرض دونوں کے علاج میں ایک ہوتی ہے، یعنی طبیعت کی درستی اور بیماری کا ازالہ، لیکن اس کے نسخے مریض کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ ہر ملک میں، وہاں کے باشندوں کی مناسبت سے، علیحدہ دوا اور غذا تجویز کرتا ہے، اور اس میں موسم کا لحاظ بھی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسا ہی حکیم حقیقی ہے۔ ہر قوم اور اس کی عادات، اور ہر زمانہ میں جانی پہچانی اور مانی ہوئی چیزوں کی مناسبت سے اس کی شریعت مختلف ہوئی۔

قرآن نے ایک ایک کر کے، قوی دلائل کے ساتھ، یہود کی ساری گم راہیوں کا ازالہ کیا ہے۔

۳ - عیسائی اور ان سے مخاصمہ

عیسائی بھی توحید، حضرت عیسیٰ ؑ اور انجیل کے ایمان کے دعوے دار تھے، مگر ان کی اصل گم راہی یہ تھی کہ انھوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، جو باہم مختلف بھی ہیں اور ہم جنس بھی۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، خدا بھی ہیں، خدا کے بیٹے بھی ہیں، بشر بھی ہیں، اس لیے ان کی نسبت بشری اور الوہی دونوں احکام جاری ہوتے ہیں۔ نیز ان کی گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ یقین رکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰ ؑ صلیب پر مقتول ہو گئے تھے۔ ایک گمراہی یہ بھی تھی کہ وہ کہتے تھے کہ فارقلیط موعود سے وہ عیسیٰ ؑ مراد ہیں، جو قتل ہو جانے کے بعد حواریوں کے پاس آئے۔ قرآن مجید نے عیسائیوں کی تمام گم راہیوں کو بھی محکم دلائل کے ساتھ رد کیا ہے۔

٤ - منافقین اور ان کے ساتھ مخاصمہ

منافقین دو قسم کے تھے: (۱) جو زبان سے کلمہ پڑھتے تھے، مگر ان کے دل میں کفر اور جحود جمے ہوئے تھے۔ انھی کے بارے میں قرآن نے کہا ہے کہ "وہ جہنم کے آخری طبقے میں جگہ پائیں گے"۔ (۲) جن کا ایمان کمزور تھا۔

بعض اپنی قوم کے تابع تھے: قوم مسلمان ہو گئی تو یہ بھی مسلمان ہو گئے، قوم کافر رہتی تو یہ بھی

کافر رہتے۔ بعض کے دل ادنیٰ دنیوی لذتوں سے اس طرح بھر گئے تھے کہ خدا اور رسول کی محبت جگہ باقی نہ رہی تھی۔ بعض کے دلوں پر لالچ، حسد، کینہ وغیرہ نے اس طرح قبضہ کر لیا تھا کہ مناجات حلاوت اور عبادات کی برکت کے لیے جگہ نہ چھوڑی تھی۔ بعض کو حصول معاش نے ایسا مشغول کر تھا کہ آخرت کو یاد رکھنے اور اس کی فکر کرنے کی فرصت ہی نہ دیتی تھی۔

بعض کے دلوں میں حضرت پیغمبرؐ کے بارے میں واہیات بدگمانیاں اور رکیک شبہات ہوتے رہتے تھے، اگرچہ اس حد تک نہیں کہ وہ اسلام کا قلادہ گردن سے اتار دیں۔ ان بدگمانیوں شبہات کے دو اسباب تھے: ایک، حضورؐ سے ان افعال کا صدور جو بشریت کا خاصہ تھے، اور اس وہ حضورؐ کو ایک عام انسان سے ممتاز نہ کر پاتے تھے)۔ دوسرے، اطراف کے ممالک میں اسلام غلبہ بظاہر اسی انداز میں ہو رہا تھا جس انداز میں بادشاہوں کا ہوتا ہے، (اس لیے وہ حضورؐ اور باد کے درمیان امتیاز نہ کر رہے تھے)۔ بعض کے دلوں میں اپنے کافر قبیلے اور رشتہ داروں کی مح بدستور موجود تھی، اور وہ ان کی مدد اور تقویت کے لیے ایسے کام بھی کر بیٹھتے تھے جو اہل اسلام خلاف ہوتے تھے اور جن سے اسلام کمزور ہوتا تھا۔

یہ سب عمل اور اخلاق کا نفاق ہے۔ جہاں تک دل کے نفاق کا تعلق ہے، تو رسول اللہؐ کے اس کا علم نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا تعلق علمِ غیب سے ہے، اور دل کے حالات کوئی نہیں جان سک رہی دوسری قسم، یعنی عملی و اخلاقی نفاق، تو وہ بہت عام ہے اور آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔

اگر تم کو منافقین کا نمونہ دیکھنا ہو تو حکمرانوں کو دیکھ لو، جو اپنی اور اپنے آقاؤں کی مرضی کو شا کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ معقولیین (Rationalists) اور آزاد منش (Liberals) بھی، جن کے دلوں میں دین کے بارے میں بے شمار شکوک و شبہات ہیں اور جو آخر کو بھلا بیٹھے ہیں، منافقین کا ایک نمونہ ہیں۔

حرفِ آخر

مختصراً، اصل اصول یہ ہے کہ جب قرآن پڑھو تو یہ ہرگز مت سمجھو کہ خطاب ایسے لوگوں سے جو کسی زمانے میں ہوا کرتے تھے، اور اب گزر گئے۔ نہیں، بلکہ بحکم حدیث ـــــ لتتبعن سنن من قب ـــــ زمانہ نبویؐ میں کوئی بلا نہ تھی جس کا نمونہ آج موجود نہ ہو۔ قرآن کا مقصود اصلی (عقید عمل کی گم راہیوں کے بارے میں) کلیات کا بیان ہے، نہ کہ پرانی حکایات کا دہرانا۔ (جاری)

(تلخیص و ترتیب: خ۔